محمد عمر فاروق

نظام جاگیرداری اور قرآن سے شادی

برطانوی استبداد نے برصغیر پر قبضے کے بعد اپنے اقتدار کے تحفظ کی خاطر جو طبقات پیدا کیے۔ ان میں سے جاگیرداروں کا طبقہ بطور خاص وجود میں لایا گیا۔ انگریزوں نے اپنے ان چہیتے وفاداروں میں دل کھول کر اعزازات کے علاوہ جاگیریں بھی بے دریغ تقسیم کیں اور جاگیرداری نظام کو اس حد تک مضبوط و مستحکم کر دیا کہ آزادی کے باون برس گزرنے کے بعد بھی یہ طبقہ ملکی وسائل پر غاصب بن کر مسلط ہے۔ یہ جنس یہاں اتنی عام ہے کہ اسی دھرتی کے غلام مصطفےٰ جتوئی جیسے "غریب دوست" رہنما ایشیا کے سب سے بڑے جاگیردار ہونے کا اعزاز رکھتے ہیں۔ اللہ کی زمین پر خدائی کے ان دعویداروں کو علامہ محمد اقبالؒ نے بجا طور پر "دہ خدا" کہا تھا عصر حاضر کے جاگیرداروں کا یہ طبقہ جسے انگریزوں نے ۱۷۹۳ء کے بنگال کے بندوبست دیوانی کے بعد وجود میں لایا تھا، صرف غریب مزارعوں ہی کے لیے عذاب کا باعث نہیں بنا بلکہ عوام الناس کی معاشی حالت کی دائمی بربادی اور ان کی فکری و شعوری بیداری کے راستہ میں سنگ گراں بن کر سامراجیوں کے اقتدار کی مدت کو طویل تر کرنے کا موجب بھی ٹھہرا۔

۱۹۴۸ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کی قائم کردہ لیگ زرعی کمیٹی نے یہ ہوشربا انکشاف کیا تھا کہ "بڑے بڑے زمینداروں کے حقوق ملکیت کا جائزہ لیا جائے تو شاید کوئی بھی اپنا دعویٰ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے پہلے کی تاریخ کا ثابت نہ کر سکے" گویا اکثر جاگیرداروں نے اپنی جاگیریں خود نہیں خریدیں بلکہ یہ انہوں نے یا ان کے آباؤ اجداد نے قومی غداری یا غیر ملکی حاکموں کی چاپلوسی کے صلے میں حاصل کی ہیں اپنی وسیع و عریض جاگیروں کے بل بوتے پر ان سیاہ فطرت جاگیرداروں اور تمنداروں نے جہاں مخلوق خدا پر ظلم و زیادتی کی شرمناک مثالیں قائم کیں وہیں اپنے گھروں میں اپنی اولادوں کے ساتھ عدم مساوات اور ناانصافی کا ظالمانہ سلوک رواء رکھا جو آج بھی بغیر کسی تعطل اور توقف کے جاری ہے کئی دن پہلے ایک این جی او نے سندھ کے جاگیرداروں کے متعلق اپنی ایک رپورٹ مرتب کی ہے جس کے اعداد و شمار میں کسی حد تک مبالغہ ہو سکتا ہے لیکن بیان کردہ حقیقت کی تردید ناممکن ہے رپورٹ کے مطابق: "سندھ کے جاگیردار گھرانوں کی پانچ ہزار نوجوان لڑکیوں کی شادیاں قرآن سے کر دی گئی ہیں اور یہ گھر کی چار دیواری کے اندر بیٹھ کر تکلیف دہ زندگی گزار رہی ہیں۔ سروے رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ان لڑکیوں کی شادیاں غیر گھرانوں میں اس لیے نہیں کی جاتیں کہ ان کے حصے کی اراضی دوسرے گھرانوں میں نہ چلی جائے۔"

مذکورہ بالا رپورٹ پڑھ کر تاریخ کے صفحات پر محفوظ یہ واقعہ ذہن میں گردش کرنے لگا۔ یہ قصہ ۱۹۳۱ء کے لگ بھگ کا ہے۔ خطیبِ پاکستان حضرت قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ لکھتے ہیں کہ "ایک وقت تھا کہ جائیداد کا وارث کنبے میں باپ کا سب سے بڑا بیٹا ہوتا تھا دوسری اولاد حق وراثت سے محروم رہ جاتی اس کی وجہ یہ تھی کہ جائیداد کے ٹکڑے ہونے اور ریاست کے بٹوارہ میں پیچیدگی کے باعث ایسے صریح مسئلہ سے انحراف برتا جاتا اور جائیداد منقولہ و غیر منقولہ بڑے لڑکے کے نام منتقل کر دی جاتی غیر منقسم ہندوستان میں جلسوں اور کانفرنسوں میں

وراثت کی شرعی تقسیم کے متعلق سب سے پہلے جس مرد مجاہد نے آواز اٹھائی وہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ مسلمان زمیندار اور روسا کے لیے یہ ایک اجنبی اور ساتھ ہی خطرناک آواز تھی۔ دولت و اقتدار کے نشے میں سرشار رئیسوں نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ "قرآن کو غلاف میں لپیٹ کر گھروں میں رکھ دو، ہمیں اس کی تعلیمات کی ضرورت نہیں"۔ غریب جس کی حیات و موت کا دارومدار سرمایہ دار کے اشارۂ ابرو یا جنبش زبان میں ہوتا ہے اس کا ہمنوا تھا اس مسموم اور زہریلی فضاء میں **یوصیکم اللہ فی اولاد کم للذکر مثل حظ الأنثیین** کا سبق دہرایا۔ ان کے ایمان و ایقان کی حد کو پہنچے ہوئے انحراف جو ان کی موت و حیات کا مسئلہ بن چکا تھا کے خلاف محاذ قائم کرنا، اس کے اثرات و نتائج سے بے خبر اپنی دھن میں مگن رہنا، یہ صرف حضرت شاہ جیؒ کی مسحور کن شخصیت کا غیر معمولی اثر تھا۔ ورنہ بغیر دولت و اقتدار اور ناموافق و ناساعد حالات میں جب صرف ایک چیز کا رونا نہ ہو، بلکہ سیاست و مذہب، معیشت و معاشرت، ثقافت و تعلیم کی بربادی اور ایک غیر ملکی قوم کا اولی الامر بن کر عہدۂ قضاو عدالت پر متمکن ہونا اس پر مستزاد ہو۔ وراثت جیسے اہم مسئلے کی تبلیغ اور بیگانوں کے علاوہ یگانوں کا ہدف طعن و تشنیع بننا جان جوکھوں کا کام نہیں تو اور کیا ہے غرض یہ کہ شاہ جیؒ نے جہاں سیاسیات میں فرنگی اقتدار کو للکارا وہاں مذہبیات میں رسوم و رواج جو ہندوؤں کی مخلوط سوسائٹی کی وجہ سے مسلمانوں میں رواج پا چکا تھا اور ناموس تک اثر انداز ہو چکا تھا سے اعلان بغاوت کیا۔ آخر کار وہ وقت آیا جب خدائے عزوجل نے شاہ جیؒ کی کوہ پیمائی کا صلہ یوں دیا کہ آریہ سماج وچھووالی شاہ عالم لاہور میں ہندوؤں کے ایک جلسہ میں کھڑے ہو کر کماری لجیاوتی نے مطالبہ کر دیا کہ ہمیں وراثت میں حصہ دیا جائے ورنہ ہم مسلمان ہوتی ہیں سارا مجمع حیران و ششدر رہ گیا اور کسی سے جواب نہ بن پڑا تو ڈی اے وی کالج کے پرنسپل مسٹر چھبیل داس نے جو جلسہ کی صدارت کر رہے تھے، یہ کہہ کر ٹال دیا کہ بعض اوقات لڑکا کراچی کا اور لڑکی کلکتہ کی ہوتی ہے اس صورت میں انتقال اراضی اور تقسیم وراثت میں حد درجہ تکلیف ہوتی ہے۔ لجیاوتی نے جواب دیا کہ جگر کا ٹکڑا جدا کرنے میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی زمین کا ٹکڑا انتقال کرنے میں تمہیں مشکلات مانع ہیں۔ انڈین پریس تامل و تذبذب میں پڑ گیا کہ لجیاوتی کی زبان میں کون بول رہا ہے اور یہ آواز تو کچھ مانوس سی معلوم ہوتی ہے الغرض پاکستان بن گیا اور یہ قانون بنانا پڑا کہ آئندہ پاکستان میں وراثت کی تقسیم شریعت کے مطابق ہو گی جن کا انڈین پارلیمنٹ میں یہ اعلان ہوتا تھا کہ ہم رواج کے پابند ہیں، شریعت ہمیں منظور نہیں۔"

قوانین اور ضوابط نافذ ضرور ہیں لیکن ان پر عمل درآمد کی ضرورت کبھی محسوس نہیں کی گئی اسی وجہ سے وڈیرے اپنی اراضی بچانے کے لیے بیٹیوں کو حق وراثت سے محروم کر کے ان کی شادیاں نعوذ باللہ قرآن مجید سے کر دیتے ہیں انگریز ہندوستان تقسیم کر کے برطانیہ لوٹ گیا لیکن اس کی باقیات جسے اس نے بڑے چاؤ، چونچلوں سے پال پوس کر جوان کیا تھا ان کی نسلیں اب بھی وطن عزیز کے سیاہ و سفید کی مالک ہیں۔ جاگیردارانہ روایات بلاخوف وخطر قانون کے درجہ میں نافذ ہیں اور کسی متنفس کو دم مارنے کی جرأت نہیں ہے ہر جمہوری اور فوجی حکمران نے جاگیرداروں کو جیب کی گھڑی اور ہاتھ کی چھڑی کی طرح برتا ہے۔ یہی طبقہ قیام پاکستان سے لے کر تادم تحریر حکمرانوں کی ناک کا بال بن کر ملک و قوم کے لیے وبال بنا ہوا ہے آج نہیں تو کل ظلم و جور کی یہ دیوار اپنی ہی ناپائیدار بنیادوں پر ضرور آ گرے گی۔ دیکھیں اسے آخری دھکا دینے کی سعادت کس مجاہد وطن کے حصے میں آتی ہے۔ قوم ایسے ہی کسی مرد مؤمن کی ضرب کلیمی کی منتظر ہے۔